10

دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ جنگ کے بداثرات سے اسلام اور احمدیت کو محفوظ رکھے

(فرمودہ 21مارچ 1941ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"سردیوں کا موسم گزر چکا ہے اور گرمیوں کاموسم آ رہا ہے۔ جہاں یہ موسم بیماریوں کے اسباب کو بھڑکانے کا موجب ہوتا ہے وہاں یہ موسم لڑائیوں اور فسادوں کے بھڑکانے کا بھی موجب ہوتا ہے۔ چنانچہ کل پرسوں سے خبریں آ رہی ہیں کہ بنگال کے مشرقی حصہ کے صدر مقام ڈھاکہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں خونریزی ہو رہی ہے۔ سینکڑوں آدمی زخمی ہو گئے ہیں اور بہت سے مارے جا چکے ہیں۔ جو پرائیویٹ اطلاعات ہیں ان کی رُو سے تو زخمیوں اور مرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن گورنمنٹ نے بھی مرنے والوں اور زخمیوں کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب ظاہر کی ہے۔

مَیں نے دیکھا ہے اس موسم میں فساد اور جھگڑے کچھ زیادہ ہو جاتے ہیں شاید اس لئے کہ خون میں جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ سردی میں خون گاڑھا ہوتا ہے اور جلدی جوش میں نہیں آتا۔ مگر گرمی میں خون پتلا ہو جاتا اور جلدی ہی رگوں میں دوڑنے لگتا ہے جس کی وجہ سے انسان آپے سے باہر ہو جاتا ہے لیکن یورپ میں تو یہ وجہ بھی ہوتی ہے کہ وہاں سردیاں اتنی شدید ہوتی ہیں کہ لوگ آسانی سے

ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں جا سکتے۔ سمندروں میں بعض جگہ برفوں کے تودے پھرنے لگتے ہیں، دریا منجمد ہو جاتے ہیں اور ہوائی جہازوں کی مشینوں کے انجن بھی اوپر جا کر اتنا عمدہ کام نہیں کر سکتے جتنا وہ گرمیوں میں کام کر سکتے ہیں۔ اس وجہ سے یورپ میں جو لڑائیاں ہوتی ہیں وہ سردی میں کم ہو جاتی ہیں اور گرمی میں نئے سرے سے تیز ہو جاتی ہیں۔ پچھلے سال کا تجربہ بھی یہی ہے کہ نومبر، دسمبر، جنوری، فروری اور مارچ میں لڑائی کم رہی۔ مارچ کے آخر میں بیداری شروع ہوئی، اپریل، مئی میں لڑائی نے زور پکڑا اور جون میں وہ قومیں جو اس وقت جرمنی کے مقابلہ میں برسرِپیکار تھیں ختم ہو گئیں۔ اب پھر وہ دن قریب آ رہے ہیں۔ گزشتہ سال تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس عظیم الشان تباہی سے جو بالکل قریب نظر آ رہی تھی بچا لیا تھا مگر اب پھر حالات بدل رہے ہیں اور پھر اس امر کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور کثرت سے دعائیں کی جائیں۔ نادانوں کے نزدیک تو ان حالات کی کوئی اہمیت نہیں مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ حالات کس قدر خطرناک ہیں۔

مَیں نے اگست 1939ء میں ایک خواب دیکھی تھی جس میں مجھے بتایا گیا تھا کہ انگلستان کی حالت خطرے میں ہے۔ مَیں یہ خواب پہلے بھی بیان کر چکا ہوں بلکہ الفضل 1 میں شائع بھی ہو چکی ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ میں ایک جگہ بیٹھا ہوا ہوں اور کوئی فرشتہ میرے سامنے بعض کاغذات پیش کر رہا ہے۔ وہ کاغذات انگلستان اور فرانس کی باہمی خط و کتابت سے تعلق رکھتے تھے۔ مختلف کاغذات پڑھنے کے بعد ایک کاغذ میرے سامنے پیش کیا گیا مَیں نے اسے دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک چِٹھی ہے جو حکومت انگریزی کی طرف سے حکومت فرانس کو لکھی گئی ہے اور اس چِٹھی کا مضمون یہ ہے کہ جنگ کے خطرناک صورت اختیار کر لینے کا سخت خطرہ ہے اور ڈر ہے کہ جرمنی انگلستان پر قبضہ کر لے۔ ان حالات میں ہم فرانس کے سامنے یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ فرانس اور انگلستان کی حکومتیں ایک نظام کے ماتحت ہو جائیں اور دونوں کو آپس میں ملا دیا جائے۔ یہ اس وقت کی رؤیا تھی جب

جنگ ابھی شروع بھی نہیں ہوئی تھی۔ دو ایسی حکومتوں کا آپس میں مل جانا اور ان کا اپنے نظاموں کو بدل کر ایک ہو جانا جو دنیا کی سب سے بڑی حکومتیں سمجھی جاتی تھیں کسی انسان کے خیال اور واہمہ میں بھی آنے والی بات نہیں تھی۔ یہ ایسے ہی حالات میں ہو سکتا تھا جو نہایت خطرناک ہوں۔ اور جب انسان باقی تمام جذبات اور احساسات کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے اور صرف یہی بات اس کے سامنے رہے کہ کسی طرح جان بچ جائے۔ میں نے جب اس چٹھی کو پڑھا تو رؤیا میں ہی مَیں سخت گھبرا گیا مگر اسی حالت میں یکدم مجھے آواز آئی کہ یہ چھ مہینے پہلے کی بات ہے یعنی اس حالت کے چھ ماہ بعد حالات بدل جائیں گے۔

جب مَیں نے یہ رؤیا دیکھی تو اس وقت لوگوں کو ابھی تک جنگ کے شروع ہونے کے متعلق بھی یقین نہیں آتا تھا اور لوگ عام طور پر سمجھتے تھے کہ ہٹلر ڈراوے دے رہا ہے۔ اس کے بعد جنگ شروع ہوئی۔ مارچ تک کوئی خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ہٹلر غالب آ جائے گا۔ بالعموم یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ برابر کی ٹکر ہے۔ بے شک پولینڈ مٹ چکا تھا مگر فرانس کے ساحلوں پر نہ یہ آگے بڑھ رہے تھے نہ وہ۔ بعض جگہ فرانسیسی اگر میل دو میل آگے بڑھتے تو جرمن بھی ایک دو میل آگے نکل آتے۔ اس طرح دونوں میں ایک رنگ کی مساوات رہتی تھی کوئی نمایاں تغیر پیدا نہیں ہوتا تھا۔ عام طور پر ایسا ہی ہوتا تھا کہ پہلے میل دو میل علاقہ فرانس والوں نے لے لیا اور پھر جرمنی نے مقابلہ کر کے اسے واپس لے لیا یا ایک دو میل علاقہ ان کے ہاتھ سے گیا تو اتنا ہی علاقہ جرمنی کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اور ایسے ممالک جو ہزاروں لاکھوں مربع میل کے رقبہ میں ہوں ان میں سے ایک دو میل علاقہ کا چلے جانا کوئی بڑی بات نہیں ہوتی بلکہ اتنا علاقہ تو بعض دفعہ خود ملک والے ہی چھوڑ دیتے ہیں تاکہ فوجیں آسانی سے حرکت کر سکیں۔ بہرحال مارچ کے آخر تک یہی حالت رہی۔ اس کے بعد جرمنی نے نہایت شدت سے حملہ کیا اور ڈنمارک، ناروے، اور پھر ہالینڈ اور بیلجیئم پر قبضہ کر لیا۔ پھر وہ فرانس کی طرف بڑھا اور اسے بھی

مغلوب کر لیا۔ 9 مئی کو اس نے حملہ کیا تھا اور تین ہفتہ کے اندر اندر مئی کے آخر تک یہ تمام طاقتیں بالکل مضمحل ہو چکی تھیں اور جون میں تو فیصلہ ہی ہو گیا تھا۔ اس وقت بظاہر یہ نظر نہیں آتا تھا کہ انگریز کوئی مقابلہ کر سکیں گے گویا وہی حالت جو رؤیا میں مجھے دکھائی گئی تھی کہ انگلستان سخت خطرہ میں گھِر جائے گا رونما ہو گئی۔ مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے بتایا گیا تھا کہ چھ ماہ کے بعد یہ حالات بدل جائیں گے۔

جب مَیں نے یہ خواب اپنے خطبہ میں بیان کی تو اُس وقت پیغامی لوگ جن کو ہمارے خلاف ہمیشہ کسی نہ کسی مشغلہ کی ضرورت ہوتی ہے اُن کے ایک ایجنٹ نے جو مصری صاحب کے ساتھیوں میں سے تھا میری دعاؤں کی قبولیت کے خلاف ایک ٹریکٹ شائع کیا اور اُس میں لکھا کہ "اِس وقت خلیفہ صاحب حکومت کے مصائب میں اَور اضافہ کرنے کا باعث بن رہے ہیں اور انہیں الٹا اپنے سامنے جھکانا چاہتے ہیں اور ان کی کامیابی کو مشکوک نظروں سے دیکھ رہے ہیں حالانکہ ہمارے بادشاہ کی کامیابی یقینی ہے۔"

یہ بات یوں تو غلط تھی کیونکہ اُس وقت ہر شخص اندر سے گھبرا رہا تھا اور اس علاقہ کے سِکھ کیا اور ہندو کیا اور مسلمان کیا سب یہ خیال کرتے تھے کہ انگریزوں کی حکومت اب چند روزہ ہے۔ بلکہ سکھوں نے تو ہتھیار بھی جمع کرنے شروع کر دیئے تھے اس خیال سے کہ جب انگریزوں کی طاقت کمزور ہو جائے گی تو ہم ملک پر قبضہ کر لیں گے۔ چنانچہ لاہور میں بعض دوست کارتوس لینے کے لئے گئے تو انہوں نے بتایا کہ سارے لاہور میں سے جہاں لاکھوں کا اسلحہ ہوا کرتا ہے بیس روپے کے کارتوس بھی نہ مل سکے۔ وہ تمام دکانوں پر پھرے مگر کسی کے پاس کارتوسوں کا ایک ڈبہ نکلا اور کسی کے پاس دو حالانکہ وہاں اسلحہ کی دس بارہ دکانیں ہیں اور بڑی بڑی دکانیں ہیں۔ تو یہ بات غلط ہے کہ انگریزوں کے متعلق اس وقت کسی کو یہ خیال نہیں تھا کہ یہ ہار جائیں گے۔ اس وقت عام طور پر یہی سمجھا جاتا تھا کہ انگریز جرمنی کا زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کر سکتے۔

پس اس کا یہ لکھنا تو غلط تھا لیکن کل ایک انگریز مدبّر کے الفاظ پڑھ کر مجھے بہت ہی خوشی ہوئی کہ اس نے کیا ہی لطیف طور پر اس بات کی تردید کی ہے۔ انگریزوں کے جو وزیر بحری ہیں ان کی ایک تقریر حال ہی میں چھپی ہے۔اس تقریر کے الفاظ پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ مصریوں اور پیغامیوں کے ردّ کے لئے ہی کہے گئے ہیں۔ ان کا نام مسٹر الیگزنڈر ہے وہ کہتے ہیں جون، جولائی میں (یعنی جب حکومت برطانیہ نے حکومت فرانس کو تار دیا تھا کہ دونوں ملکوں کی حکومت ایک کر دی جائے اور فرانس کا برطانیہ سے الحاق ہو جانا چاہئے) ہر وہ شخص جو جنگی فنون سے ذرا بھی واقفیت رکھتا ہے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہم پھر امن میں آ جائیں گے اس نے تو یہ لکھا تھا کہ "ہمارے بادشاہ کی کامیابی یقینی ہے" مگر مسٹر الیگزنڈر انگلستان کے وزیر بحری کہتے ہیں کہ کوئی جاہل ہی یہ سمجھ سکتا تھا کہ ہم جیت جائیں گے۔ ورنہ ہماری حالت ایسی خراب تھی کہ کوئی عالم اور جنگی فنون سے واقفیت رکھنے والا انسان ایسی بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ گویا اس نے مصری پارٹی کے اس شخص کے اعتراض کا جواب دے دیا کہ جاہل بے شک کہتا ہو کہ انگریز شکست نہیں کھا سکتے مگر کوئی عالم ایسا خیال نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ہر وہ شخص جسے جنگی فنون سے ذرا بھی مَس ہے، جانتا تھا کہ ہماری حالت کتنی خطرناک ہے۔

پس جاہل تو یہ امید رکھ سکتا تھا مگر جنگی فنون سے واقف ایسی امید نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں مگر اب حالت بہت بدل چکی ہے اور ہم پہلے سے بہت زیادہ مضبوط ہیں۔

یہ بات مَیں نے صرف ضمناً بیان کی ہے درحقیقت میں اس بات کا ذکر کر رہا تھا کہ اب حالات پھر خطرناک صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر میں نے موجودہ جنگ کے متعلق اپنی بعض خوابیں بیان کی تھیں۔ ان کے علاوہ بعض اور خوابیں بھی ہیں جو مُنذِر ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ مُنذِر رؤیا پوری ہو چکی ہیں یا ابھی ان کا کوئی حصہ پورا ہونا باقی ہے۔ اور پھر بعض دفعہ دَوری طور پر

خوابیں ظہور میں آتی رہتی ہیں۔ ایک دفعہ کسی رنگ میں پوری ہوتی ہیں اور دوسری دفعہ کسی رنگ میں۔ پس مَیں نہیں کہہ سکتا کہ وہ تمام خوابیں پوری ہو چکی ہیں یا ابھی بعض خوابیں جو اپنے اندر انذاری پہلو رکھتی ہیں پوری نہیں ہوئیں۔

بہرحال اب چونکہ جنگ کے بھڑکنے کے ایام پھر قریب آ رہے ہیں ہماری جماعت کو دعاؤں کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ اگلے چار مہینے جنگ کے لحاظ سے نہایت خطرناک ہیں۔ اپریل، مئی، جون، جولائی، اگست بلکہ اگر ستمبر بھی شامل کر لو تو چار ماہ کی بجائے چھ ماہ نہایت خطرناک ہیں۔ ان میں پھر رستوں کی آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔ پھر حملوں کے لئے سہولتیں میسر آ جائیں گی پھر جرمن آبدوز کشتیاں زیادہ شدت سے انگریزی جہازوں پر حملے کر سکیں گی اور پھر انگریزوں کو خوراک پہنچنے کے رستے دشمن بند کر سکے گا۔ اسی طرح جرمن ہوائی جہاز زیادہ آسانی سے انگلستان پر حملہ کر سکتے ہیں۔ اس کی فوجیں سرعت سے حرکت میں آ سکتی ہیں اوروہ مشرق کی طرف بھی بڑھ سکتا ہے اور انگلستان کی طرف بھی۔

غرض وہ ہر قسم کے حالات پھر جمع ہونے والے ہیں جو دنیا کا امن برباد کرنے کے لئے نہایت خطرناک ہیں۔ یہ سال اگر خیریت سے گزر گیا تو امید کی جا سکتی ہے کہ 1942ء میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے حالات زیادہ بہتر ہو جائیں گے۔

وہ لوگ جنہوں نے میرے خطبات سنے ہوئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ 1938ء میں مَیں نے ایک خطبہ 2 پڑھا تھا جس میں مَیں نے بتایا تھا کہ 1942ء یا 1944ء خطروں کا آخری سال معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد حالات میں تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔

اسی طرح 1927ء کی مجلس شوریٰ میں مَیں نے بیان کیا تھا:۔

" آج سے دس سال کے اندر اندر ہندوستان میں اس بات کا فیصلہ ہو جانے والا ہے کہ کونسی قوم زندہ رہے اور کس کا نام و نشان مٹ جائے۔ حالات اس سرعت اور تیزی کے ساتھ بدل رہے ہیں کہ جو قوم یہ سمجھے کہ آج سے بیس پچیس سال بعد کام کرنے کے لئے تیار ہو گی وہ زندہ نہیں رہ سکے گی اورجو قوم یہ خیال رکھتی ہے

وہ اپنی قبر آپ کھودتی ہے۔ اگر دس سال کے اندر اندر ہماری جماعت نے فتح نہ پائی اور وہ تمام راہیں جو ارتداد کی ہیں بند کر کے وہ تمام دروازے جو اسلام قبول کرنے کے ہیں کھول نہ دیئے تو ہماری جماعت کی زندگی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔3

1928ء کی مجلس مشاورت میں بھی مَیں نے کہا تھا کہ:۔

" اسلام کے لئے نہایت خطرناک دن ہیں۔ قریب ہے کہ چند سال کے اندر اندر قومیں فیصلہ کر لیں کہ کون زندہ رہنے کے قابل ہے اور کسے برباد ہوجانا چاہئے۔" 4

غرض مَیں نے بتا دیا تھا کہ اگر دس سال کے اندر اندر ترقی نہ کی گئی تو اس کے بعد ایک ایسی مصیبت کا دروزہ کھلنے والا ہے جس کا اسلام اور احمدیت کو خطرہ ہو گا۔ چنانچہ اس کے عین دس سال کے بعد 1939ء میں موجودہ جنگ کا آغاز ہو گیا۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں 1942ء ہی ایسا سال ہے جو فیصلہ کُن معلوم ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے نہیں کہ جنگ بند ہو جائے گی بلکہ اس لحاظ سے کہ ممکن ہے ایک قوم ایسی غالب آ جائے کہ اس کے بعد جنگ صرف دفاعی رہ جائے۔ یہ امر مشتبہ نہ رہے کہ کونسی قوم جیتے گی اور کونسی ہارے گی۔

پس ان حالات کو دیکھتے ہوئے جماعت کے دوستوں کو خصوصیت سے دعائیں کرنی چاہئیں۔ اس وقت ہماری سب سے زیادہ قیمتی چیز خطرہ میں ہے اور وہ ہمارا دین اور ہمار امذہب ہے۔ بے شک انگلستان خطرے میں ہے کیونکہ ڈر ہے کہ جرمنی انگلستان پر قبضہ نہ کر لے۔ بےشک فرانس خطرے میں ہے کیونکہ گو وہ شکست کھا چکا ہے مگر ایک حصہ ابھی ایسا ہے جو جرمنی کے ماتحت نہیں اور اس وجہ سے جرمنی اسے پورے طور پر دبا نہیں سکتا۔ اگر وہ حصہ بھی جرمنی کے قبضہ میں چلا جائے تو وہ پورے طور پر اسے کُچل سکتا ہے۔ اسی طرح بے شک مشرقی یورپین ممالک خطرے میں ہیں کیونکہ جرمنی ان پر غالب آ سکتا اور انہیں اپنا تابع بنا سکتا ہے۔

بے شک جرمنی بھی خطرہ میں ہے کیونکہ انگلستان اور امریکہ کو اگر طاقت حاصل ہو گئی تو جرمنی اور اٹلی کی اپنی ترقی کی خوابیں سب باطل ہو جائیں گی مگر جو چیز ان کے ہاتھ سے جاتی ہے وہ ایسی نہیں کہ آج کی بجائے کل بھی کام آنے والی ہو یا ایسی نہیں کہ وہ زندگی کے بعد بھی کام آنے والی ہو مگر جس مال اور جس دولت کی حفاظت کے لئے احمدیت کھڑی ہے وہ ایسی ہے کہ وہ آج ہی کام آنے والی نہیں بلکہ کل بھی کام آنے والی ہے اور وہ دنیا میں ہی کام آنے والی چیز نہیں بلکہ اگلے جہان میں بھی کام آنے والی چیز ہے۔ پس جس مال کی حفاظت کے لئے احمدیت کھڑی ہے وہ بہت زیادہ قیمتی ہے بہ نسبت ان چیزوں کے جن کی حفاظت کے لئے دنیا کی حکومتیں برسرِ پیکار ہیں۔ اور جتنی زیادہ کوئی چیز قیمتی ہوتی ہے اتنی ہی اس کی حفاظت بھی زیادہ ضروری ہوتی ہے۔ وہ چیز جو انسان کو آج ہی فائدہ دے سکتی ہے کل نہیں، اس کے متعلق ایک انسان اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے سکتا ہے کہ اگر وہ ضائع ہو گئی ہے تو کیا ہوا؟ آج مَیں تکلیف اٹھا لوں گا کل تو آرام سے گزرے گا۔ اسی طرح جو چیز صرف کل فائدہ پہنچانے والی ہو اس کے ضائع ہونے پر بھی ایک انسان یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دے سکتا ہے کہ آج آرام سے گزر رہا ہے پرسوں بھی آرام سے گزرے گا درمیان میں ایک دن اگر تکلیف آتی ہے تو اسے برداشت کر لوں گا مگر جو چیز آج اور کل اور پرسوں اور ہر کل اور پرسوں کو کام آنے والی ہو اور انسان کا تمام مستقبل اس کے ساتھ وابستہ ہو اسے وہ آسانی کے ساتھ ضائع کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ وہ سمجھے گا کہ اگر یہ چیز ضائع ہو گئی تو میرا آج کا دن بھی مصیبت سے گزرے گا، کل کا دن بھی مصیبت سے گزرے گا ، پرسوں کا دن بھی مصیبت سے گزرے گا ، اترسوں کا دن بھی مصیبت سے گزرے گا اور ہر آنے والا دن میرے لئے تکلیف دہ ہو گا۔ پھر انسان بعض دفعہ یہ خیال بھی کر سکتا ہے کہ اگر میری زندگی کے دن ہی مصیبت سے گزریں تو بھی میں انہیں گزار لوں گا۔ کم از کم میری اولاد تو اس مصیبت سے حصہ نہیں لے گی لیکن اگر کوئی چیز ایسی ہو جس کے

ضائع ہونے کا نقصان صرف اس کو نہ ہو بلکہ اس کی اولاد کو بھی نقصان پہنچانے والا ہو تو ایسی حالت میں اس چیز کی اہمیت اور بھی بڑھ جائے گی اور اگر وہ چیز ایسی ہو کہ صرف اس کی اولاد پر ہی اس کا اثر نہ ہو بلکہ اولاد کی اولاد اور اس اولاد کی اولاد بھی قیامت تک اس کے نتیجہ میں دکھ اور تکلیف میں مبتلا رہنے والی ہو تو وہ خیال کرے گا کہ مَیں اس چیز کو کیوں ترک کروں جبکہ قیامت تک میری نسل کے افراد اس کی وجہ سے دکھ اٹھاتے چلے جائیں گے۔اور اگر کوئی چیز ایسی ہو جو مستقبل سے تعلق رکھنے والی ہو اور اس کی اولاد در اولاد کو اس کے نہ ہونے کی وجہ سے تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو تو پھر بھی کوئی انسان یہ خیال کر سکتا ہے کہ دنیا ایک قید خانہ ہے اگر اس جہان میں تکلیف پہنچی بھی تو کیا ہوا اگلے جہان کا سکھ تو حاصل ہو جائے گا لیکن اگر کوئی چیز ایسی ہو کہ اس کے ذریعہ امن اور آرام صرف اس دنیا میں ہی حاصل نہ ہوتا ہو بلکہ اگلے جہان میں بھی حاصل ہوتا ہو تو وہ ہر قسم کی موت، ہر قسم کی تکلیف اور ہر قسم کی تنگی برداشت کر لے گا مگر اس بات کو برداشت نہیں کرے گا کہ وہ چیز اس کے ہاتھ سے نکل جائے کیونکہ وہ سمجھ لے گا کہ اگر وہ چیز اس کے ہاتھ سے گئی تو اس کا اور اس کی اولاد کا امن بھی گیا۔ اس جہان میں بھی اور اگلے جہان میں بھی۔ مَیں جانتا ہوں کہ قرآن کو نہ پڑھنے اور اس کو سمجھنے کا ملکہ اپنے اندر نہ رکھنے کی وجہ سے بہت سے لوگ اس اہمیت کو نہیں سمجھتے بلکہ احمدیوں میں بھی بعض لوگ ایسے موجود ہیں جو احمدیت کی ضرورت کو نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی بات پر انہیں ٹھوکر لگ جاتی ہے، چھوٹی چھوٹی بات پر انہیں دھکا لگ جاتا ہے اور چھوٹی چھوٹی بات پر وہ احمدیت کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ ان کی مثال بالکل ان چار نابینوں کی سی ہے جو ہاتھی کو دیکھنے کے لئے گئے تھے ان میں سے ایک نے سونڈ پر ہاتھ مارا اور سمجھ لیا کہ اس نے ہاتھی دیکھ لیا۔ دوسرے نے دم پر ہاتھ مارا اور سمجھ لیا کہ اس نے ہاتھی دیکھ لیا۔ تیسرے نے پاؤں پر ہاتھ مارا اور سمجھ لیا کہ اس نے ہاتھی دیکھ لیا۔ چوتھے نے پیٹھ پر ہاتھ لگایا اور سمجھ لیا

کہ اس نے ہاتھی دیکھ لیا۔ جب بعد میں وہ سب ایک جگہ جمع ہوئے تو آپس میں بحث کرنے لگ گئے۔ ایک نے کہا کہ ہاتھی نرم نرم لچکدار اور موٹی سی چیز ہوتی ہے اور اس کے آگے ایک سوراخ ہوتا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ بالکل غلط وہ تو ایک پتلی اور باریک سی چیز ہوتی ہے اور اس کے آگے بالوں کا گچھا ہوتا ہے۔ تیسرے نے کہا ہرگز نہیں وہ تو سیدھی آسمان کی طرف جاتی ہوئی ایک موٹی سی چیز ہوتی ہے۔ چوتھے نے کہا ہاتھی تم میں سے کسی نے بھی نہیں دیکھا وہ تو ایک ڈھول کی طرح چپٹی سی چیز ہوتی ہے۔ جس نے پیٹھ پر ہاتھ مارا تھا اس نے سمجھ لیا کہ ہاتھی ڈھول کی طرح چپٹی سی چیز ہوتی ہے، جس نے دم پر ہاتھ مارا تھا اس نے خیال کر لیا کہ وہ ایک پتلی اور باریک سی چیز ہوتی ہے جس کے آگے بالوں کا گچھا ہوتا ہے۔ جس نے سونڈ پر ہاتھ رکھا تھا اس نے سمجھ لیا کہ وہ ایک نرم نرم لچکدار اور موٹی سی چیز ہوتی ہے اور اس کے آگے ایک سوراخ ہوتا ہے اور جس نے اس کی ٹانگوں پر ہاتھ مارا تھا اس نے سمجھ لیا کہ وہ آسمان کی طرف جاتی ہوئی ایک موٹی سی چیز ہوتی ہے۔ یہی حال ان احمدیوں کا ہے جنہوں نے قرآن اور رسول کریم ﷺ کی احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کی کتابوں کو اچھی طرح نہیں پڑھا۔ انہوں نے احمدیت کو بھی نہیں دیکھا بلکہ احمدیت کے کسی کونے کو دیکھا ہے۔ جب ہم لیکچر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احمدیت ایک نہایت ہی قیمتی چیز ہے اسے ضائع مت کرو اور اس کی قدر و قیمت کو سمجھو تو وہ حیران ہوتے ہیں اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ یہ کیوں ہمیں دھوکا دے رہے ہیں۔ احمدیت تو ایک معمولی سی چیز ہے۔ رہی رہی، نہ رہی نہ رہی۔ ان کا احمدیت کے ساتھ اخلاص صرف اتنا ہی ہوتا ہے جتنا کسی کو اپنی قوم کی پچ ہوتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو احمدی کہیں گے۔ احمدیت کے لئے بعض دفعہ لڑنے کے لئے بھی تیار ہو جائیں گے مگر یہ نہیں سمجھیں گے کہ احمدیت ایک ایسی چیز ہے جس کے ساتھ نہ صرف ان کا، نہ صرف ان کی اولادوں کا بلکہ قیامت تک ان کی تمام نسل کا سکھ اور آرام وابستہ ہے اور نہ صرف اس جہان کا سکھ اور آرام

احمدیت سے ہے بلکہ اگلے جہان کا سکھ اور آرام بھی احمدیت سے ہی ہے۔ ان کے نزدیک احمدیت صرف اس بات کا نام ہے کہ زید نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے اور بکر نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا اور جب ان کے ساتھ کوئی حسن سلوک سے پیش نہیں آتا تو کہنے لگ جاتے ہیں کہ ہم نے احمدیت کو دیکھ لیا اور اس ایک یا دو شخصوں پر قیاس کر کے کہنے لگ جاتے ہیں کہ سارے احمدی ہی ایسے ہوتے ہیں گویا وہی نابینوں والی بات ان میں پائی جاتی ہے جن میں سے ایک نے سونڈ پر ہاتھ لگا کر سمجھ لیا تھا کہ اس نے ہاتھی بھی دیکھ لیا، دوسرے نے بھی دم پر ہاتھ لگا کر سمجھ لیا کہ اس نے ہاتھی دیکھ لیا، تیسرے نے ٹانگوں پر ہاتھ لگا کر سمجھ لیا تھا کہ اس نے ہاتھی دیکھ لیا اور چوتھے نے پیٹھ پر ہاتھ لگا کر سمجھ لیا تھا کہ اس نے ہاتھی دیکھ لیا۔ انہوں نے بھی نہ احمدیت کو دیکھا ہے اور نہ اس کی شکل و صورت کو۔ البتہ انہوں نے احمدیت کے ہاتھی کے کسی حصہ پر اپنا ہاتھ رکھا ہے اور یہ سمجھ لیا ہے کہ انہوں نے احمدیت کو دیکھ لیا مگر وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو سمجھا ہے جو احادیث کو جانتے ہیں اور جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کو پڑھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ احمدیت ایک ایسی قیمتی چیز ہے کہ جس طرح ایک اکلوتے بچے والی ماں کو جو آپ بڑھیا ہو چکی ہو، اس اکلوتے بچے والی ماں کو جس کا بچہ چھوٹا ہو، اس اکلوتے بچے والی ماں کو جس کے پاس اپنے بچہ کے لئے چھوڑ جانے کے لئے کوئی مال و دولت نہ ہو رات دن اپنے بچہ کے متعلق دھڑکن لگی رہتی ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ احمدیت کے متعلق ہر احمدی کے دل کو دھڑکن لگی رہنی چاہئے۔

وہ جنہوں نے نابینوں کی طرح احمدیت کو دیکھا، جنہوں نے دم کو ہاتھ لگایا یا سونڈ کو ہاتھ لگایا یا پیٹھ کو ہاتھ لگایا یا ٹانگوں کو ہاتھ لگایا اور سمجھ لیا کہ انہوں نے احمدیت کو دیکھ لیا۔ وہی ہیں جو ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور آج اگر کچھ عقیدہ رکھتے ہیں تو کل کوئی اور عقیدہ رکھنے لگ جاتے ہیں اور بعض دفعہ تو اس قسم کے نابینا احمدی ایسی مضحکہ خیز حرکت کرتے ہیں کہ وہ کسی مخلص احمدی کی زندگی کو بھی

نہیں دیکھتے بلکہ کسی منافق کی زندگی پر قیاس کر کے خیال کر لیتے ہیں کہ یہی احمدیت ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ انہوں نے ہاتھی کی دم کو بھی ہاتھ نہیں لگایا، انہوں نے ہاتھی کے سونڈ کو بھی ہاتھ نہیں لگایا، انہوں نے ہاتھی کے پاؤں کو بھی ہاتھ نہیں لگایا ، انہوں نے ہاتھی کی پیٹھ کو بھی ہاتھ نہیں لگایا بلکہ انہوں نے ہاتھی کے گوبر کو ہاتھ لگا کر سمجھ لیا کہ انہوں نے ہاتھی دیکھ لیا۔ پس تم ان لوگوں کو جانے دو۔ ان کے سوا جو لوگ سچے طور پر احمدیت کو قبول کئے ہوئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ احمدیت ایک ایسا قیمتی مال ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے اگر ہمیں اپنی جانیں بھی قربان کرنی پڑیں تو یہ ایک معمولی قربانی ہو گی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ احمدیت خدا تعالیٰ کا قائم کردہ سلسلہ ہے اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اسلام اور احمدیت کی ترقی کا خدا نے وعدہ کیا ہوا ہے لیکن اگر احمدیت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے تو اس کے دنیا میں رہ جانے سے ہمیں کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ پھر یہ بات بھی بالکل غلط ہے کہ سچائیاں ہر حالت اور ہر صورت میں ہمیشہ قائم رہتی ہیں۔ سچائیاں اسی وقت تک قائم رہتی ہیں جب تک ان کو قائم رکھنے کی لوگ کوشش کرتے رہتے ہیں۔ آخر اسلام اپنے پہلے نزول میں کب ہمیشہ رہا؟ اور کیا رسول کریم ﷺ کے بعد یزید جیسے لوگوں نے اسے کھیل نہیں بنا لیا اور کیا بعد میں آنے والے فقہاء اور علماء نے فقہ اور علم کے نام سے اسلام کے پرخچے نہیں اڑائے؟ یہ پہلے بھی ہوا اور اب بھی ہو سکتا ہے بلکہ اس وقت بھی ہو رہا ہے۔ چنانچہ پیغامی یہی کچھ کر رہے ہیں، مصریوں نے بھی یہی کچھ کیا اور کر رہے ہیں۔ چند سال ہوئے اسی ممبر پر کھڑے ہو کر میں نے مصری صاحب کا ایک اشتہار دوستوں کو پڑھ کر سنایا تھا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ عقائد وہی صحیح ہیں جو جماعت احمدیہ قادیان کے ہیں اور مَیں ان عقائد پر قائم ہوں۔ میرا اختلاف صرف موجود خلیفہ سے ہے لیکن ابھی اس پر زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ ہم بھی زندہ ہیں مصری صاحب بھی زندہ ہیں۔ ان کا وہ اشتہار بھی موجود ہے مگر آج ان کی یہ حالت ہے کہ اسی سال لاہور میں پیغامیوں

کے جلسہ پر انہوں نے تقریر کی جس میں کہا کہ مرزا صاحب اور پہلے اولیاء امت کی نبوت ایک سی ہے صرف زیادہ اور تھوڑے نمبروں کا فرق ہے۔ پھر یہی وہ شخص تھا جس نے کہا تھا کہ مَیں مسئلہ خلافت کے خلاف نہیں صرف نئے خلیفہ کے انتخاب پر میں زور دیتا ہوں۔ مگر اب وہی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خلافت کوئی چیز نہیں۔ آخر وجہ کیا ہے کہ میری عداوت کی وجہ سے ان کا مذہب بدل گیا اور ان کے عقائد میں ایسا عظیم الشان تغیر پیدا ہو گیا۔ قرآن نہیں بدلا، حدیثیں نہیں بدلیں، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں نہیں بدلیں۔ وہی آیات جو پہلے قرآن میں موجود تھیں اب بھی ہیں، وہی حدیثیں جن سے پہلے اجرائے نبوت ثابت کی جاتی تھی اب بھی ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وہی تحریریں جن سے پہلے خلافت کا مسئلہ ثابت ہوتا تھا اب بھی ہیں پھر وجہ کیا ہے کہ ان کے عقائد بدل گئے اور میری مخالفت کی وجہ سے انہیں قرآن کے بھی اور معنے نظر آنے لگ گئے، حدیثوں کا بھی اور مفہوم دکھائی دینے لگ گیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں کا بھی کچھ اور مطلب بتایا جانے لگا۔ آخر یہ کیا بات ہے کہ قرآن کی وہ آیتیں جن سے پہلے وہ ہماری تائید میں استدلال کیا کرتے تھے اب ان کے معنے ان کے نزدیک کچھ اور ہو گئے ہیں اور وہی حدیثیں جن سے پہلے ہمارے دعاوی کی تصدیق کی جاتی تھی اب ان کا مفہوم ان کے نزدیک کچھ اور ہو گیا ہے۔ صاف پتہ لگتا ہے کہ ان کے دل کے زنگ کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا کہ نیکی کا ایک حصہ جب انہوں نے خود چھوڑ دیا ہے تو نیکی کا دوسرا حصہ جو اعتقاد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے وہ ہم چھڑا دیتے ہیں جیسے فرماتا ہے طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ۔5 یہی پیغامیوں کا حال ہے۔ انہوں نے بھی اپنی تحریروں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بار بار نبی، مقدس نبی، برگزیدہ رسول اور نجات دہندہ وغیرہ لکھا بلکہ پیغمبر آخر الزمان اور نبی آخر الزمان" 6 کے الفاظ بھی آپ کے متعلق استعمال کئے جو ہم بھی استعمال نہیں کرتے مگر اب ان کا سارا زور اس بات پر صَرف ہو رہا ہے

کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نبی نہیں تھے۔ تو ایمان میں بگاڑ بھی پیدا ہو جاتا ہے اور مومنوں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ ایمان کو زور سے قائم رکھیں۔ ایمان صرف خدا ہی قائم نہیں رکھتا بلکہ انسان کی اپنی جد و جہد کا بھی اس میں دخل ہوتا ہے۔ جب تک کسی کے اندر ایمان رہتا ہے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایقان کی صورت بھی پیدا ہوتی رہتی ہے اور جب کسی کا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے تو ایقان کی صورت بھی جاتی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ انسان ایک وقت تو سمجھتا ہے کہ اگر میرے جسم کی بوٹیاں بوٹیاں بھی اڑا دی جائیں تو میں اپنے عقیدہ کو نہیں چھوڑ سکتا مگر دوسرے وقت یہ حالت نہیں رہتی۔ صاف پتہ لگتا ہے کہ کوئی چیز ہوتی ہے جو غائب ہو جاتی ہے۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت پر مصری صاحب کو جو پہلے ایمان تھا یا مولوی محمد علی صاحب کو جو پہلے ایمان تھا اس کی موجودگی میں وہ یہ کس طرح کہہ سکتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی نہیں یا ایسے ہی ہیں جیسے باقی مجدد ہیں یا یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ ایک وقت تو کہتے کہ خلافت ضروری ہے اور حضرت خلیفہ اول کی بیعت بھی کرتے مگر دوسرے وقت کہہ دیتے کہ خلیفہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ آخر جو حالات پہلے تھے وہ تو نہیں بدل گئے، جو حوالجات پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کو ثابت کر رہے تھے وہ اب بھی موجود ہیں اور جس ضرورت کی بناء پر حضرت خلیفہ اول کی خلافت کو تسلیم کیا گیا تھا وہی اب بھی ہے پھر جبکہ حالات وہی ہیں اور ان کے عقائد وہ نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کے دل کی حالت ہی بدل گئی ہے اور خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں سے وہ یقین نکال لیا ہے جو ایمان کا نتیجہ ہوتا ہے۔ پس ایمان کی حفاظت کرنا بندوں کا بھی کام ہے۔ اس شخص سے زیادہ کوئی جاہل اور احمق نہیں جو یہ کہے کہ یہ خدا کی چیز ہے اور خدا اس کی آپ حفاظت کرے گا۔ یہ ایک خطرناک نادانی ہے جب خدا نے ایک چیز کی حفاظت ہمارے سپرد کی ہے اور ہم اس کی حفاظت نہیں کرتے تو ہم غدار اور باغی ہیں نہ کہ خدا تعالیٰ پر توکل کرنے والے۔

پس احمدیت چاہتی ہے کہ ہم ہر قسم کی قربانی کریں۔ آجکل جنگ کی وجہ سے چونکہ خطرہ بہت زیادہ بڑھ گیا ہے اس لئے قربانیوں میں بھی پہلے سے بہت زیادہ حصہ لینے کی ضرورت ہے مگر ہمارے پاس کون سے ہوائی بیڑے ہیں کہ جن سے ہم اس خطرہ کو دور کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس نہ فوجیں ہیں، نہ توپیں ہیں، نہ ہوائی جہاز ہیں، نہ گولہ بارود ہے۔ ہمارے پاس صرف دعا کا ہتھیار ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سے بڑا ہتھیار اور کوئی نہیں بشرطیکہ دعا اخلاص کے ساتھ کی جائے، بشرطیکہ انسان کے دل میں تڑپ ہو اور بشرطیکہ اسے یہ فہم ہو کہ احمدیت خطرے میں ہے۔ اگر یہ حالت ہو تو دعاؤں کی قبولیت بہت زیادہ یقینی ہوتی ہے لیکن یونہی ہاتھ اٹھا لینا یا زبان سے چند الفاظ کہہ دینا دعا نہیں ہوتی۔ ایسی دعا انسان کے مُنہ پر ماری جاتی ہے۔

پس اس خطرہ کے زمانہ میں مَیں پھر جماعت کے دوستوں کو ہوشیار کرتا ہوں اور انہیں توجہ دلاتا ہوں کہ وہ دعاؤں میں مشغول ہو جائیں۔ حکومت کی طرف سے ہندوستان میں دعا کے لئے ایک دن مقرر کیا گیا ہے اس دن بھی بے شک جلسہ کر لیا جائے اور دعائیں مانگی جائیں لیکن وہ دن اتوار کا ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنی دعا کے لئے بھی اتوار کو ہی مخصوص کریں۔ اگر عیسائی اس دن کو مقدس سمجھتے ہیں تو یہ اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ ہم بھی اسی دن کو ترجیح دیں۔ اور مَیں تو سمجھتا ہوں اب وقت آ گیا ہے کہ ہمیں عیسائیوں سے صاف طور پر کہہ دینا چاہئے کہ ہمارا مذہبی احترام جمعہ کے ساتھ وابستہ ہے اور اگر وہ ہمارا تعاون حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ ہمارے مذہبی احساسات کو ملحوظ رکھیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ پنجاب میں جہاں مسلمانوں کی آبادی باقی تمام اقوام سے زیادہ ہے اور جس کا وزیر اعظم بھی مسلمان ہے جس کے متعلق ہندو یہ شور مچاتے رہتے ہیں کہ وہ ہندو کش ہے اس پنجاب میں مسلمانوں کو جمعہ کی نماز کے لئے بھی عام چھٹی نہیں دی جاتی۔ آخر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ یہ حقارت کا سلوک کب تک چلا جائے گا

اور کیا وجہ ہے کہ عیسائیوں اور ہندوؤں کے تو ان جذبات کا احترام کیا جائے جو اتوار کے ساتھ وابستہ ہیں مگر مسلمانوں کے ان جذبات کا احترام نہ کیا جائے جو جمعہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ پس اس دن بھی بے شک جلسہ کرو مگر ہم الگ بھی دعا کے لئے جمعہ کا کوئی دن مقرر کریں گے جو ہمارے لئے قبولیت دعا کا دن قرار دیا گیا ہے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر جمعہ کی نماز سے لے کر خطبہ کے ختم ہونے تک ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ جس میں بندے کے دل سے جو دعا بھی نکلتی ہے وہ قبول ہو جاتی ہے۔7 پس حکومت کے نظام کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے اتوار کے دن بھی جلسے کئے جائیں مگر کسی جمعہ کو بھی خاص طور پر دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ فتنہ و فساد کی آگ سے تمام دنیا کو بچائے خصوصاً اسلام اور احمدیت کی حفاظت کرے اور ان خطرات کو مٹا دے جو اسلام اور احمدیت کی ترقی اور آسانی اور سہولت کے ساتھ ترقی میں روک ہوں۔

مَیں آئندہ دعا کے لئے چار اپریل جمعہ کا دن تجویز کرتا ہوں دوستوں کو چاہئے کہ جمعرات کو روزہ رکھیں اور اس دن تہجد میں خاص طور پر الگ الگ یا مل کر دعا کریں اور پھر جمعہ کے دن جمعہ کی نماز میں خصوصیت کے ساتھ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس جنگ کے بد اثرات سے سب دنیا اسلام اور احمدیت کو محفوظ رکھے اور انگریزوں کی مشکلات کو بھی دور فرمائے۔ یہ دعا جمعہ کی آخری رکعت میں رکوع سے قیام کے وقت مانگی جائے تاکہ ایک وقت میں سب نمازی اس دعا میں شامل ہوں اور اخلاص کے ساتھ اور دیر تک مانگی جائے۔" (الفضل 28 مارچ 1941ء)

---

1 الفضل 28 جون 1940ء

2 الفضل 13 جنوری 1938ء

3 رپورٹ مجلس مشاورت 1927ء صفحہ 179

4 رپورٹ مجلس مشاورت 1928ء صفحہ 139

5 النحل: 109 ، محمد: 17

6 ریویو جلد 6 صفحہ 81، 99

7 بخاری کتاب الجمعة باب الساعة الّتی فِیْ یَوْمِ الْجمعة